ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

قائدِ اعظم اور اسلامی صحافت

برِ صغیر کے مسلمانوں کی جد و جہد آزادی اور تحریکِ پاکستان کی کامیابی میں اسلامی صحافت نے جو نمایاں حصہ لیا وہ مورخین کی نظر سے پوشیدہ نہیں اور یہ بھی ایک جیتی جاگتی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی صحافت کے نشو و ارتقا اور استحکام میں قائدِ اعظم نے جو کردار ادا کیا اسے کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی مساعی سے کئی نئے اخبار جاری ہوئے، جنھوں نے پہلے سے موجود اخباروں کی رفاقت میں تحریک کا پیغام عوام تک پہنچایا، ان کے قلوب کو گرمایا اور تڑپایا۔ یہاں تک کہ پوری ملتِ اسلامیہ قائدِ اعظم کے پرچم تلے جمع ہو گئی۔ اور وہ سب عناصر ایک ایک کر کے مٹ گئے، جو قوم پرستی اور اسلام کا نام لے کر تحریکِ پاکستان کے راستے میں حائل تھے۔ بلکہ میں یہاں تک کہوں گا کہ اسلامی صحافت کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید پاکستان کے قیام میں خاصی تاخیر ہو جاتی۔

اسلامی صحافت کا ماضی

اسلامی صحافت آج سے ایک سو چالیس سال پہلے معرضِ وجود میں آئی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اسے اجنبی راج کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی۔ بہت سے اخبارات بند کر دیے گئے۔ بہت سوں نے خوف سے جان ہار دی۔ "دہلی اردو اخبار" کے نگران مولوی محمد باقر کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ ان کے فرزند مولانا محمد حسین آزاد اس اخبار کی ادارت فرماتے تھے۔ ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے، وہ روپوش ہو گئے تو پتا دینے والے کے لیے پانسو روپے کے انعام کا اعلان ہوا۔ "صادق الاخبار" کے مدیر جمیل الدین احمد کو تین سال قید کی سزا ہوئی اور یوں اسلامی صحافت کو نابود کر دیا گیا۔ ایک عرصے کے سناٹے کے بعد سر سیّد احمد خان نے اسلامی صحافت کے جسدِ مردہ میں جان ڈالی۔ "تہذیب الاخلاق" اور "اخبار سائنٹیفک سوسائٹی" کے ذریعے سے مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا سامان پیدا کیا۔ ایک سنجیدہ اور استدلالی صحافت کے ذریعے سے مسلمانوں کے

درمیانہ طبقے میں سیاسی شعور پیدا کیا اور اردو ادب میں بھی ایک انقلاب برپا کیا۔ ان اخباروں کی دیکھا دیکھی برصغیر کے طول و عرض میں بہت سے مسلمان اخبار نکل آئے۔ بعض نے سرسیّد کا رنگ اختیار کیا۔ بعض نے ان کی مخالفت میں آواز بلند کی اور خیالات کے تنوّع نے رائے عامہ کی تشکیل میں بہت مدد دی۔ اس صدی کے آغاز میں مولانا حسرت موہانی نے "اردوئے معلّی" کے نام سے جو رسالہ جاری کیا وہ ادب اور سیاست کا ایک خوبصورت امتزاج پیش کرتا تھا۔ ادب کے دائرے میں کلاسکی انداز اختیار کیا اور سیاست کے دائرے میں ایک ایسا ریڈیکل رنگ پیش کیا جو اس زمانے کی اسلامی صحافت میں بالکل ناپید تھا۔

جنگِ طرابلس، جنگ بلقان، تقسیمِ بنگال کی تنسیخ اور سانحہ مسجدِ کانپور نے مسلمانوں کے جمود کو توڑا۔ ان میں برطانوی سامراج کے خلاف نفرت پیدا کی۔ اس زمانے میں مولانا ظفر علی خان نے "زمیندار" میں نئی جان ڈالی، اور اسے عوام کا ترجمان بنا دیا۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے "الہلال" کے نام سے ایک حسین و جمیل اور ٹھوس ہفت روزہ جاری کیا، جس نے السنہ شرقیہ میں خصوصی دلچسپی رکھنے والوں کے ذوق کی آسودگی کا سامان مہیا کیا، اور قرآنی تعلیمات کو فروغ دیا۔ مولانا محمد علی نے "دی کامریڈ" کے نام سے اعلیٰ پائے کا ایک انگریزی ہفت روزہ جاری کیا، جس نے انگریزی داں طبقے میں سیاسی شعور پیدا کیا اور مسلمانوں میں علیحدگی کی سیاست کو آگے بڑھایا۔ پہلی جنگِ عظیم سے قبل انھوں نے "ہمدرد" کے نام سے اردو زبان میں ایک روزنامہ بھی جاری کیا۔ یہ تمام اخبار اتحادِ عالمِ اسلامی کے داعی تھے۔ سامراجی تسلّط کے خلاف تھے اور ملکی سیاست میں اپنے اپنے رنگ میں مسلمانوں کے لیے ایک بہتر مقام کے لیے جدوجہد کرتے تھے۔ جب پہلی عالمی جنگ چھڑی تو ان کے لیے ایک بڑا مسئلہ پیدا ہوا۔ اتحادیوں نے ہندوستان کو بھی جنگ میں شامل کر لیا لیکن ترکیہ جرمنی کے ساتھ تھا۔ مسلمانوں کو ترکیہ سے پیار تھا اور یہاں مساجد میں نمازِ جمعہ کے خطبات میں خلیفۃ المسلمین کا نام لیا جاتا تھا۔ چونکہ ان اخباروں کی ہمدردیاں ترکیہ کے ساتھ تھیں، اس لیے دارو گیر کا بازار گرم ہوا اور تینوں اخبار بند ہو گئے۔ نیز جو شخصیات ان اخباروں کی ادارت کرتی تھیں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔

جنگ کے بعد رولٹ ایکٹ ایجی ٹیشن، پنجاب میں مارشل لا، مانٹیگو چیمسفورڈ آئینی اصلاحات کی مخالفت، تحریکِ ہجرت، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ خلافت کے طوفانی دور میں مسلمان اخباروں کو

پھر دارو گیر کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے مدیرانِ جرائد گرفتار ہوئے۔ اخبار اور چھاپے خانے بند ہوئے۔ نئے اخبار بھی نکلے۔ اس دور میں "زمیندار" نے قربانیوں کی جو مثال پیش کی، اس کی بہت کم نظیر ملتی ہے۔

تحریکِ خلافت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کا شیرازہ پارہ پارہ ہوگیا۔ ہندوؤں نے میثاقِ لکھنؤ مسترد کر دیا۔ شدھی اور سنگھٹن اور ہندو راج کے نعرے بلند کیے اور مسلمانوں نے اپنے قومی مطالبات مرتب کیے، جو "جناح کے چودہ نکات" کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس نئے دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نئے اسلامی روزنامے جاری ہوئے۔ جن میں "انقلاب" اور "مسلم آؤٹ لک" نے نمایاں کردار کیا۔ کانگرس کا طلسم توڑا۔ مسلم لیگ کو آگے بڑھایا اور انہی کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۳۵ء کے آئینِ حکومتِ ہند میں مسلمانوں کے بعض قومی مطالبات تسلیم کر لیے گئے۔ اس آئین کے تحت ۱۹۳۷ء میں صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات ہوتے۔ ان میں کانگرس کو تو مسلم حلقوں میں بہت بڑی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن مسلم لیگ کو زیادہ کامیابی نہ ہوسکی، جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں ایسی سیاسی پارٹیوں کو نمایاں جیت ہوئی، جو صوبائی مفادات پر مبنی تھیں۔ بہر حال اسی سال اکتوبر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو پنجاب سے وزیرِ اعلیٰ سردار سکندر حیات خان، بنگال سے وزیرِ اعلیٰ مولوی فضل الحق اور آسام سے وزیرِ اعلیٰ سر سعد اللہ خان اپنے رفقا سمیت آئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح لیگ کی نمائندہ حیثیت مسلّم ہو گئی اور یہیں سے قائدِ اعظم کی رہنمائی میں مسلم لیگ کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔

۱۹۳۷ء میں اسلامی صحافت کی کیفیت

اب قومی جد وجہد نے ایک سہ رخی جنگ کا روپ لیا۔ ایک طرف کانگرس تھی، جو مسلمانوں کے قومی تشخص کو پامال کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔ دوسری طرف مسلم لیگ تھی، جو قومی تشخص کی سربلندی اور سیاست میں مسلمانوں کے لیے ایک بہتر مقام کے لیے جد وجہد کر رہی تھی۔ تیسری طرف برطانوی حکومت تھی، جس کا جھکاؤ زیادہ قوت کی وجہ سے کانگرس کی طرف تھا۔ ان حالات میں مسلم رائے عامہ کی تنظیم کے لیے مسلمانوں کے جو اخبار موجود تھے وہ کمزور تھے، بے سرو سامان تھے اور ہمت سے بڑھ کر کام کرنے کے باوجود ناکافی قوت کے مالک تھے۔

لاہور، دہلی، کلکتے اور لکھنؤ میں اردو کے اہم مسلمان روزنامے موجود تھے، لیکن اگر فراخ دلی سے بھی اندازہ کیا جائے تو ان کی مجموعی اشاعت چالیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ پھر ان میں سب مسلم لیگ کے حامی نہیں تھے۔ بعض اخبار کانگریس کے نام لیوا تھے۔ بعض مسلمانوں کے علیحدہ سیاسی حقوق کے داعی تھے لیکن صوبائی سطح پر صوبائی مفادات کو آگے بڑھاتے تھے۔ جہاں تک انگریزی صحافت کا تعلق تھا مسلمانوں کا حال بہت پتلا تھا۔ ہندوستان بھر میں انگریزی کا صرف ایک مسلم روزنامہ موجود تھا۔ یہ "سٹار آف انڈیا" تھا۔ کلکتے سے نکلتا تھا اور انگریزی زبان کے مسلمان صحافیوں کی قلت کا یہ عالم تھا کہ اس اخبار کی ادارت ایک انگریز اخبار نویس لارنس۔ پی۔ اٹکنسن کے سپرد تھی۔ یہ اخبار مسلم زاویۂ نگاہ کا ترجمان تھا لیکن انگریز ایڈیٹر کی وجہ سے ترجمانی کے فرائض بدرجۂ احسن ادا کرنے سے قاصر تھا۔ پھر اس کی اشاعت بھی محدود تھی اور وہ بھی صرف بنگال میں۔ گویا باقی ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں تک لیگ کا زاویۂ نگاہ کسی روزنامے کے ذریعے سے پہنچانا ناممکن تھا۔ اس خلا کو ایک جزوی حد تک بعض انگریزی ہفت روزوں نے پُر کر رکھا تھا مثلاً لاہور سے "ایسٹرن ٹائمز" اور "نیو ٹائمز" نکلتے تھے۔ مدراس سے "دکن ٹائمز"، الہ آباد سے "دی سٹار"۔ لیکن ان کا اثر بھی محدود تھا، اور ان کی مجموعی اشاعت دس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ کسی مسلمان اخبار کی مالی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اشتہارات فراہم کرنے کے لیے جو ایجنسیاں قائم تھیں ان پر ہندو غالب تھے اور وہ ایسے مسلمان اخباروں کو بھی اشتہار دینے سے گریز کرتے تھے، جن کی اشاعتیں اس دور کے معیار کے مطابق تسلی بخش تھیں۔ چونکہ اشتہار اخباری مالیات کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ اس لیے اشتہارات کی کمی نے مسلمان اخباروں کو اور بھی کمزور کر رکھا تھا۔

اس کے برعکس ہندو صحافت نہایت مضبوط تھی۔ ہندو اخبار انگریزی میں بھی نکلتے تھے اور دوسری زبانوں میں بھی۔ صرف لاہور کے اردو روزناموں کی مجموعی اشاعت ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس پر مستزاد دہلی اور دوسرے شہروں کے ہندو اخبار بھی موجود تھے، جن میں "تیج" (دہلی) کی اشاعت بہت زیادہ تھی۔ مالی حالات کی مضبوطی کے سبب سے یہ اخبار کیبل کاٹنے

سے لیس تھے۔ اس لیے بہت سے مسلمان بھی ہندو اخباروں ہی پر تکیہ کرتے تھے۔ پھر ہندوؤں کے انگریزی روزنامے کثرت سے موجود تھے۔ لاہور کا "ٹریبیون"، دہلی کا "ہندوستان ٹائمز" اور "نیشنل کال"، کلکتے کا "امرت بازار پتر کا" اور مدراس کا "ہندو" بہت بڑے اور طاقتور اور کثیر الاشاعت روزنامے تھے۔ بمبئی سے پارسیوں کا ایک اعلیٰ روزنامہ "بمبئے کرانیکل" کے نام سے موجود تھا۔ اس کے ایڈیٹر ایک مسلمان عبداللہ بریلوی تھے لیکن وہ کانگرس کے حامی تھے۔

برطانوی سامراجی مفادات کی نگہبانی کے لیے ایک نہایت مضبوط اینگلو انڈین پریس موجود تھا۔ لاہور سے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" جاری تھا۔ کلکتے اور دہلی سے "سٹیٹسمین"، بمبئی سے "ٹائمز آف انڈیا"، لکھنؤ سے "پائونیر"۔ ان سب کے ایڈیٹر انگریز تھے۔ عملہ ہائے ادارت میں بیشتر انگریز اور اینگلو انڈین صحافی شامل تھے، یا کچھ ہندو اخبار نویس۔ مسلمانوں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان اخباروں کی پالیسی یہ تھی کہ سامراجی مفادات کی حفاظت کریں۔ مسلمان جماعتوں کی خبریں صرف ایسی صورت میں چھاپتے تھے، جب ان سے انگریزی مفادات پورے ہوتے ہوں اور ان کا مجموعی طرزِ عمل مسلمانوں کے حق میں معاندانہ تھا جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے قارئین کی غالب اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل تھی۔ ان میں دو اخبار "سٹیٹسمین" اور "سول اینڈ ملٹری گزٹ"۔ ہر پندرہ دن بعد مسلم سیاست پر ایک خصوصی کالم چھاپتے تھے۔ اول الذکر کالم جناب الطاف حسین "شاہد" کے قلمی نام سے لکھتے تھے اور مؤخر الذکر کالم سید نور احمد کے سپرد تھا۔ لیکن سید نور احمد مسلم لیگ کے مخالف تھے اور ان کی تحریریں یونی نسٹ پارٹی کے مخصوص مفادات کے تابع تھیں۔

اس زمانے میں دو خبر رساں ایجنسیاں موجود تھیں۔ ایک ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا، دوسری یونائیٹڈ پریس آف انڈیا۔ موخر الذکر تو خالص ہندو ایجنسی تھی اور اس کے عملے میں ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اول الذکر ایجنسی پر بھی ہندو بُری طرح غالب تھے۔ ۱۹۴۰ میں کیفیت یہ تھی کہ اس کے عملے میں صرف تین مسلمان شامل تھے۔ پشاور کے نامہ نگار جناب عطاء اللہ۔ لاہور برانچ کے مینجر ملک تاج الدین اور لاہور برانچ میں راقم الحروف، جو معمولی سب ایڈیٹر تھا، جسے کبھی کبھی مسلم حلقوں کا کام بھی دیا جاتا تھا۔ عملے کے باقی تمام ارکان، پورے ہندوستان

میں ہندو تھے۔

مسلم لیگ کی خبروں کا بلیک آؤٹ

ملکی صحافت کے اس تناظر میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قائد اعظم کے راستے میں بڑی مشکلات حائل تھیں۔ بسا اوقات مسلم لیگ کی خبروں کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض خبریں مسلمان اخباروں میں بھی نہیں چھپ سکتی تھیں۔ کیونکہ خبروں کا سب سے بڑا ذریعہ تو خبر رساں ایجنسیاں تھیں اور اُن پر ہندو غالب تھے۔ یہ ایجنسیاں جب قائد اعظم اور دوسرے مسلمان رہنماؤں کی تقریریں اور بیانات نشر کرتی تھیں تو انھیں خوب توڑ مروڑ کر۔ اور بعض اوقات بے جا تلخیص سے خبر کا حلیہ بگاڑ دیتی تھیں۔ یہی خبریں جب ہندو اخباروں اور اینگلو انڈین اخباروں میں پہنچتی تھیں تو توڑ مروڑ کا ایک اور عمل ہوتا تھا، جو اخبارات کے غیر مسلم سب ایڈیٹر کرتے تھے۔ اور صورت یہ تھی کہ بیانات اور تقریروں اور قراردادوں کا مطلب ہی مسخ ہو جاتا تھا۔ اس پر مستزاد ادارتی کالموں میں دشنام طرازی اور غلط بیانی ہوتی تھی، جس میں ہندو اخباروں نے یدِ طولیٰ حاصل کر رکھا تھا، وہ جھوٹ بولتے تھے اور وہ بھی بہت بڑے پیمانے پر۔ یہی نہیں، وہ مسلم لیگ کے مخالف اور کانگرس کے پٹھو نہایت معمولی کارکنوں کے بیانات نمایاں انداز میں چھاپتے تھے۔ ایسے میں مسلمانوں کا سیاسی نقطۂ نگاہ سامنے آتا تو کیسے؟ مسلمان اخبار اس صورتِ حالات کا مقابلہ کرنے کی ہر ممکن سعی کرتے تھے، لیکن کمزور تھے۔ ان کی آواز میں قوت نہیں تھی۔ ہندو خبر رساں ایجنسیوں کی متعصبانہ پالیسی کا ایک توڑ موجود تھا کہ مسلمان اخبار مختلف کلیدی مقامات پر اپنے نامہ نگار مقرر کر کے صحیح خبریں حاصل کرتے لیکن ان میں اتنی مالی سکت نہیں تھی۔ بلکہ شاید آج کے اخبار نویسوں کے لیے یہ بات حیران کن ہو کہ اس زمانے کے مسلمان اخباروں کی مالی حیثیت اتنی زبوں تھی کہ وہ ایجنسیوں کی خبریں ان کے دفاتر سے دستی طور پر وصول کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں یہ توفیق نہیں تھی کہ ٹیلی پرنٹر کا کرایہ ادا کر سکیں۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مسلمان روزنامے نے اپنے دفتر میں ٹیلی پرنٹر نصب کیا تو اسے اتنا بڑا واقعہ سمجھا گیا کہ اخبار کے مالک نے قائد اعظم سے درخواست کی کہ وہ اس کی افتتاحی رسم ادا کریں۔ قائد اعظم سے درخواست کی کہ وہ اس کی افتتاحی رسم ادا کریں۔ قائدِ اعظم جانتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے۔

کیونکہ تمام بڑے اردو اور انگریزی ہندو روزنامے ٹیلی پرنٹر ہی کے ذریعے سے خبریں وصول کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود محض ایک مسلمان اخبار کی حوصلہ افزائی کے لیے قائدِ اعظم نے رسم افتتاح ادا کر دی اور ہندو اخباروں نے دل کھول کر اس کا مضحکہ اڑایا۔

مسلم خبر رساں ایجنسی کا قیام

قائدِ اعظم محسوس کرتے تھے کہ جب تک ایک مسلم خبر رساں ایجنسی قائم نہیں ہو گی مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ سامنے نہیں آسکے گا اور خود مسلمان اخبار بھی اس قابل نہیں ہو سکیں گے کہ مسلم لیگ کے زاویۂ نگاہ کی ٹھیک ٹھیک نشر و اشاعت کریں۔ چنانچہ انھوں نے بعض مسلمان بزرگوں کو انگیخت کی کہ وہ اس مسئلے پر توجہ دیں۔ چنانچہ اورینٹ پریس آف انڈیا کے نام سے ایک ایجنسی قائم ہو گئی۔ اس کی تشکیل میں نواب مشتاق احمد گورمانی نے مدد دی۔ بہار کے ایک بیرسٹر جناب سید محمد اس کے پہلے مینجنگ ڈائرکٹر بنے اور اس کی شاخیں برصغیر کے تمام بڑے شہروں میں قائم ہو گئیں۔ لیکن پیسے کی قلت کی وجہ سے یہ ایجنسی بھی بے سر و سامان رہی، کیونکہ ایک تو ٹیلی پرنٹروں کا انتظام نہ ہو سکا، اس لیے کہ اس پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی خبریں نامہ نگاروں سے بذریعہ ڈاک اور بذریعہ پریس ٹیلیگرام حاصل کی جاتی تھیں اور انھیں دستی طور پر ہرکاروں کے ذریعے سے اخبارات کے دفاتر میں پہنچایا جاتا تھا۔ اس محدود انتظام کے باوجود مالی اعتبار سے یہ گھاٹے کا کاروبار تھا۔ کیونکہ اصل گاہک تو مسلمان اخبار ہی تھے۔ ان کی تعداد بھی تھوڑی تھی۔ وہ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا اور یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کی سروسوں کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بیشتر خبریں تو یہی ادارے مہیا کرتے تھے۔ اورینٹ پریس کی سروس پر فالتو خرچ کرنا پڑتا تھا اور چونکہ یہ ایک ضمنی قسم کی سروس تھی، اس لیے وہ زیادہ معاوضہ بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ بہرحال اورینٹ پریس کی وجہ سے مسلم زاویۂ نگاہ کی اشاعت پہلے کے مقابلہ میں بہتر انداز میں ہونے لگی۔

اسلامی صحافت کے لیے خصوصی فنڈ

جب ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی اور مسلمان عوام کے سامنے ایک باقاعدہ نصب العین آگیا تو ظاہر ہے ہماری قومی جدوجہد کی طنابیں وسیع تر ہو گئیں اور ایسے میں

یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اسلامی صحافت کو مضبوط تر کیا جائے۔ بالخصوص انگریزی زبان میں روزنامے جاری کیے جائیں تاکہ ایک تو انگریزی دان مسلمان طبقے کی رائے کو متاثر کیا جاسکے، جو انگریزی اخبار ہی پڑھنے کا عادی تھا۔ دوسرے اجنبی راج کے ارباب بست وکشاد تک بھی مسلم زاویۂ نگاہ پہنچایا جائے کہ وہ انگریزی زبان ہی سمجھ سکتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے لاہور کے ہفت روزہ "ایسٹرن ٹائمز" کو روزنامہ بنایا گیا، لیکن مالی مشکلات تو مسلمانوں کا دیرینہ مرض تھا۔ اس لیے "ایسٹرن ٹائمز" پر مطلوبہ سرمایہ نہ لگایا جاسکا۔ یہ چھ صفحات پر مشتمل شام کے وقت نکلتا تھا۔ خبروں اور مضامین کے اعتبار سے بے سروسامان تھا۔ اس لیے اس کی اشاعت لاہور شہر تک محدود رہی۔ اور ایک ہزار سے زائد نہیں چھپتا تھا۔ اسے اگر کچھ لوگ خریدتے تھے تو محض اس لیے کہ ایک مسلمان اخبار کی سرپرستی کی جائے۔ اس پر قائداعظم نے محسوس کیا کہ صرف ایسا انگریزی روزنامہ مقبول ہوسکتا ہے، جو ہر قسم کے سازوسامان سے آراستہ ہو، کیل کانٹے سے لیس ہو۔ عام قارئین کے ذوق کو اس حد تک آسودہ کرسکے کہ وہ دوسرے انگریزی اخبارات سے بے نیاز ہوکر اس پر تکیہ کرسکیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بڑے بڑے غیر مسلم انگریزی روزناموں کی ٹکر کا اخبار نکلے۔ ظاہر ہے اس کے لیے بہت بڑا سرمایہ درکار تھا۔ اس لیے قائداعظم نے اسلامی صحافت فنڈ کا اجرا فرمایا اور ایک سال کے اندر اندر اتنا سرمایہ اکٹھا کر لیا کہ اس سے ایک اول درجے کا انگریزی روزنامہ جاری کیا جاسکے۔

"ڈان" کا اجرا

جو سرمایہ اکٹھا ہوا اس سے قائداعظم نے ایک ٹرسٹ بنایا، جس کا نام "ڈان ٹرسٹ" تھا۔ اسی کے اہتمام میں ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو دہلی سے روزنامہ "ڈان" جاری کیا گیا۔ قائداعظم اس کے مینجنگ ٹرسٹی تھے اور ٹرسٹ بنانے کے پس پردہ یہ مقصد کارفرما تھا کہ اس سے جو منافع ہو وہ اسی اخبار پر لگایا جاتے تاکہ یہ بہتر سے بہتر ہوتا چلا جائے۔ مسلمانوں میں تربیت یافتہ انگریزی صحافیوں کی قلت کا یہ عالم تھا کہ کوئی ایسا شخص نہ مل سکا جو اس کی ادارت سنبھال سکے۔ چنانچہ مشہور اینگلو انڈین اخبار نویس جناب پوتھن جوزف کو مدیر مقرر کیا گیا۔ وہ سیاسی اعتبار سے ایک بے رنگ شخصیت تھے لیکن اعلیٰ درجے کے پیشہ ور صحافی تھے۔ اچھے اداریہ نگار تھے اور مزاح نگار

بھی تھے۔ ان کا مزاحیہ کالم OVER A CUP OF TEA اس سے پہلے بعض انگریزی روزناموں میں چھپ کر خاصا مقبول ہو چکا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں قائدِ اعظم نے بنگال سے جناب الطاف حسین کو بلایا اور ادارت ان کے سپرد کر دی۔ وہ یہ ذمہ داری لینے سے گھبراتے تھے۔ کیونکہ بنگال میں وہ ایک اعلیٰ سرکاری ملازمت پر فائز تھے اور پنشن کے بھی حق دار تھے ——— "ڈان" میں ایک تو تنخواہ وہی تھی۔ دوسرے پنشن کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن قائد اعظم نے جب سمجھایا کہ پیشہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کو اپنے مقصد اور نصب العین کے لیے قربانی بھی دینا پڑتی ہے تو الطاف حسین نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ واقعہ جناب الطاف حسین نے مجھے خود ۱۹۶۴ء میں بتایا، جب میں نے ایک صحافتی لیکن علمی منصوبے کے سلسلے میں ان سے ڈیڑھ دو اڑھائی گھنٹے کا ایک طویل انٹرویو کیا۔ پنجاب کے مشہور صحافی جناب عزیز بیگ نے (جو نائیجیریا میں ایک سفارتی منصب پر فائز ہیں) مجھے بتایا کہ پوتھن جوزف کے زمانے میں "ڈان" کے بیشتر اداریے وہی لکھا کرتے تھے، اور اداریے ہی نہیں، مضامین بھی لکھتے تھے جن میں تحریکِ پاکستان کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال ہوتا تھا۔ قائدِ اعظم ایک روشن خیال منیجنگ ٹرسٹی تھے۔ انھوں نے ایڈیٹر کو پوری آزادی دے رکھی تھی اور روزمرہ امور میں قطعاً کوئی مداخلت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۶ کو غیر ملکی نامہ نگاروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"اکثر کہا جاتا ہے کہ ڈان میرا اخبار ہے اور کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ڈان میں سب کچھ میرے کہنے پر یا مسلم لیگ کی ہدایت پر لکھا جاتا ہے۔ مجھے کہنے کی اجازت دیجیے گا کہ یہ کاملاً غیر صحیح ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ڈان مسلم لیگ کی پالیسی پر چلتا ہے، لیکن یہ ایک ٹرسٹ ہے۔ مسلم لیگ کی ملکیت نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ٹرسٹی کی حیثیت سے میں ٹرسٹ کا انتظام کرتا ہوں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ٹرسٹی کی حیثیت میں یا کسی اور حیثیت میں میں نے کبھی ایڈیٹر کے کام میں مداخلت نہیں کی۔ بہرحال اگر یہ اخبار مسلم لیگ کی پالیسی سے بنیادی طور پر انحراف کرے گا تو ایسی صورت میں قدرتی طور پر میں مداخلت کروں گا۔"

چونکہ "ڈان" ہر لحاظ سے ایک اچھا اخبار تھا، اس لیے مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ خوب

مقبول ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں پنجاب مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو پنجاب کے اخبارون پر سنسر شپ لگ گیا۔ اس کمی کو "ڈان" نے پورا کیا اور جب "ڈان" کا داخلہ بند ہوا تو لیگی کارکنوں نے اسے خفیہ طور پر درآمد کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب دہلی میں زبردست ہندو مسلم فساد ہوئے تو "ڈان" کا چھاپہ خانہ جلا دیا گیا اور دفتر کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا۔ بہرحال ۱۴ اگست ۴۷ء کو "ڈان" کراچی سے نکل آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ٹرسٹ کا اخبار نہیں تھا۔ اسے ہارون خاندان نے نکالا۔ اور اب بھی جس کمپنی کے زیر اہتمام یہ نکل رہا ہے، اس میں حصص کی اکثریت ہارون خاندان کے ہاتھ میں ہے۔

مسلم لیگ کا ترجمان — روزنامہ "منشور"

قائدِ اعظم نے جو اسلامی صحافت فنڈ اکٹھا کیا تھا، اس کا ایک اور مصرف یہ ہوا کہ دہلی سے ایک اردو روزنامہ "منشور" کے نام سے جاری کیا گیا، جو آل انڈیا مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان تھا اس کی ادارت سید حسن ریاض کے سپرد تھی۔ وہی حسن ریاض جو پاکستان آئے اور بعض اخبارات میں کام کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ صحافت سے منسلک ہو گئے اور ایک ضخیم کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" لکھی۔ "منشور" اگرچہ فنی لحاظ سے ایک اچھا اخبار تھا۔ لیکن یہ زیادہ دیر نہ چل سکا کیونکہ متعدد مسلمان اخبار موجود تھے۔

بنگال میں اسلامی صحافت

بنگال میں "عصرِ جدید" کے نام سے ایک روزنامہ مدت سے جاری تھا اور وہ مسلسل مسلم لیگ کا حامی رہا۔ ۱۹۳۶ء میں بنگال کے بابائے مسلم لیگ مولانا محمد اکرم خان نے "زمانہ" کے نام سے ایک اردو روزنامہ جاری کیا، جو زیادہ دیر زندہ نہ رہا۔ لیکن انھوں نے بنگالی زبان میں جو روزنامہ "آزاد" کے نام سے جاری کیا، اس نے تحریکِ پاکستان میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ اور جب پاکستان بنا تو کلکتے سے ڈھاکے آ گیا۔ یہ ایک کثیر الاشاعت اخبار تھا، اور ۱۹۷۲ء میں جب شیخ مجیب الرحمٰن نے صحافت کو قومی ملکیت میں لے لیا تو "آزاد" بند ہو گیا۔ انگریزی روزنامہ "سٹار آف انڈیا" ڈانواں ڈول ہوا تو خواجہ شہاب الدین اور ان کے بھائی خواجہ نورالدین نے سرمایہ اکٹھا کر کے اور قائدِ اعظم کی سرپرستی میں "مارننگ نیوز" جاری کیا۔ اس کے

پہلے ایڈیٹر پرانے خلافتی رہنما جناب عبدالرحمٰن صدیقی تھے۔ ان کے بعد جناب محسن علی ایڈیٹر بنے اور پچیس سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اب فری لانس صحافی ہیں۔" مارننگ نیوز" پاکستان بننے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کلکتے سے نکلتا رہا۔ لیکن جب حکومتِ ہند کا دباؤ بڑھا تو ڈھاکہ کو منتقل ہو گیا۔ چند سال بعد اس کا ایک ایڈیشن کراچی سے بھی نکلنے لگا جو اب تک جاری ہے، لیکن ڈھاکہ کا "مارننگ نیوز" شیخ مجیب الرحمٰن نے بند کر دیا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "ڈان" اور "مارننگ نیوز" دونوں ۱۹۴۲ء ہی میں نکلے۔

انگریزی ہفت روزے

قائدِ اعظم نے اسلامی صحافت کو مضبوط بنانے کے لیے جو تحریک شروع کی اس کے زیر اثر انگریزی زبان کے کچھ نئے ہفت روزہ اخبارات بھی جاری ہوئے۔ ان میں دو اخبار نمایاں تھے۔ ایک پیر علی محمد راشدی کا "مسلم وائس" جو کراچی سے نکلا۔ دوسرا عزیز بیگ کا "سٹار" جو بمبئی سے جاری ہوا۔ دراصل "سٹار" قائدِ اعظم نے جاری کیا تھا اور اس کی ادارت کے لیے ۱۹۴۶ء میں عزیز بیگ کو "ڈان" سے بلا لیا تھا۔ ان دونوں صحافیوں کو قائدِ اعظم کا پورا اعتماد حاصل تھا، اور قائدِ اعظم سے ان کا رابطہ گہرا تھا۔ عزیز بیگ کے بیان کے مطابق قائدِ اعظم کا خیال تھا کہ شاید پاکستان بننے میں قدرے تاخیر ہو جائے، اس لیے ان کا ارادہ تھا کہ "ڈان" دہلی، لاہور، بمبئی اور کراچی سے بیک وقت نکلے۔

نوائے وقت

"نوائے وقت" ۱۹۴۰ء میں پندرہ روزہ کی حیثیت سے نکلا۔ دو سال بعد ہفت روزہ بن گیا اور جولائی ۱۹۴۴ء میں روزنامہ بنا۔ اسے قائدِ اعظم کی سرپرستی حاصل تھی لیکن یہ سرپرستی سیاسی اور اخلاقی تھی، مالی نہیں تھی۔ یہ اخبار جناب حمید نظامی اور حامد محمود کی مشترکہ ملکیت میں نکلا۔ اس وقت میدان میں اور مسلمان روزنامے بھی موجود تھے۔ وہ بھی پاکستان کے حامی تھے لیکن مسلم لیگ کی قیادت پر کبھی کبھی نکتہ چینی بھی کر دیتے تھے۔ "نوائے وقت" مسلم لیگ کی کل ہند اور صوبائی دونوں قیادتوں کا سو فی صد حامی تھا۔ فنی اعتبار سے بھی اعلیٰ درجے کا اخبار تھا اس لیے عوام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پاکستان بنتے وقت تو یہ ہر دلعزیز ترین

اور طاقتور ترین اخبار تھا۔ "نوائے وقت" نے تحریکِ پاکستان میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ اس لیے یہ اب بھی ایک مقبول اخبار ہے۔ اس دور میں ہندوستان بھر میں اور بھی بہت سے اخبار نکلے۔ جن میں چوہدری خلیق الزمان کا "تنویر" قابلِ ذکر ہے جو لکھنؤ سے جاری ہوا۔

پس قائدِاعظم کی سرگرم کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان بھر میں بے شمار انگریزی اور اردو اخباروں کا ایک جال بچھ گیا۔ اور ان کی بدولت تحریکِ پاکستان میں ایک نئی گھن گرج پیدا ہوگئی اس سلسلے کی آخری کڑی "پاکستان ٹائمز" تھا۔

پاکستان ٹائمز

"پاکستان ٹائمز" کے بانی قائدِاعظم تھے لیکن اس کی روحِ رواں میاں افتخار الدین تھے، جنھوں نے پی پی ایل کے نام سے ایک کمپنی بنائی اور اس کے اہتمام میں فروری ۱۹۴۷ء میں لاہور سے یہ روزنامہ جاری کیا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر جناب فیض احمد فیض اور نیوز ایڈیٹر مظہر علی خان تھے۔ یہ اخبار قومی جدوجہد کے ایک ایسے مرحلے میں جاری ہوا۔ جب اس کی شدید ضرورت تھی۔ کیونکہ اس وقت پنجاب میں دو ہی انگریزی روزنامے تھے۔ ایک "سول اینڈ ملٹری گزٹ" دوسرا "ٹریبیون"۔ اور یہ دونوں پاکستان کے مخالف تھے۔ قائدِاعظم "پاکستان ٹائمز" کو کس نظر سے دیکھتے تھے؟ اس کے لیے ان کا وہ پیغام ملاحظہ فرمائیے جو اس اخبار کی پہلی سالگرہ پر بھیجا گیا:

"رائے عامہ کی ترجمانی اور تشکیل میں اخبارات کا کردار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے پاس انگریزی روزنامے موجود نہیں تھے، اس لیے ان کے نقطۂ نگاہ کی اشاعت مناسب انداز میں نہیں ہوسکتی تھی۔ پاکستان ٹائمز ایک ایسے وقت پر نکلا، جب مسلمانانِ ہند کے مستقبل پر اثر انداز ہونے والے بڑے بڑے مسائل درپیش تھے اور مسلمان اخباروں کی ضرورت بہت شدید تھی۔ میں نے پچھلے بارہ مہینوں میں پاکستان ٹائمز کے نشوونما کا بڑی دلچسپی سے مشاہدہ کیا ہے اور مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ یہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اس مختصر سے عرصے میں اس کے قد و قامت میں اضافہ ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس نے صحافت کی اعلیٰ روایات کو برقرار رکھا اور کسی خوف یا رو رعایت کے بغیر عوام کے حقیقی مفادات کی پاسبانی کرتا رہا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قوت دو آتشہ ہوتی چلی جائے گی۔

میں پاکستان ٹائمز کی کامیابی اور خوشحالی کا متمنی ہوں۔"

قائدِ اعظم کا نظریۂ صحافت

قائدِ اعظم کے ذہن میں صحافت کا جو تصوّر موجود تھا، اس میں حریّتِ خیال اور آزادیٔ تحریر کے نظریات سرِ فہرست حیثیت کے حامل تھے۔ اب سے پورے ساٹھ سال پہلے انھوں نے بمبئے پراونشل پولیٹیکل کانفرنس کے صدارتی خطبے میں ۱۹۱۰ء کے پریس ایکٹ پر یوں نکتہ چینی کی :

"— پریس ایکٹ کی بنیاد ہی میں خرابی کی صورت مضمر تھی۔ اسے آزادیٔ صحافت کے لیے شدید خطرے سے تعبیر کیا گیا تھا اور جس سختی سے اس کا نفاذ ہوا ہے۔ اس سے اس کی مخالفت نے نہایت شدید صورت اختیار کر لی ہے اور اس سے عوام میں بہت بڑی بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ ایکٹ میں جو تحفظات مہیا کیے گئے تھے، وہ محض خیالی ثابت ہوتے ہیں اور کلکتہ ہائی کورٹ کے مطابق ناقابلِ عمل ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ حکومت سرکاری اور غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کرے جو ۱۹۱۰ء سے اب تک پریس ایکٹ کے ماتحت ساری کارروائیوں پر غور کر کے ایسی سفارشات پیش کرے، جس سے لوگوں کی بے چینی دور ہو۔"

اس مطالبے پر حکومت نے سات سال کے بعد غور کیا، آخرِ کار یہ قانون واپس لے لیا گیا۔ صحافت کے بارے میں قائدِ اعظم جن خیالات کا اظہار کرتے رہے، اُن سے تین اقتباسات پیشِ خدمت ہیں :

"قوم کی ترقی اور بہبود کے لیے صحافت ایک اہم ضرورت ہے کیونکہ زندگی کے تمام شعبوں میں سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لیے صحافت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو قوم کی رہنمائی کرتی ہے اور رائے عامہ کی تشکیل کرتی ہے۔" [۱۲ اکتوبر ۴۳ء۔ "ڈان" کی پہلی سالگرہ پر]

"صحافت ایک عظیم طاقت ہے۔ یہ فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی۔ اگر اسے صحیح طریقے پر چلایا جائے تو یہ رائے عامہ کی رہنمائی اور ہدایت کا فرض سرانجام دے سکتی ہے۔"

[۲۴ مئی ۴۴ء کشمیری صحافیوں سے ملاقات میں]

"قلم ایک زبردست قوت ہے جس کے آپ لوگ امین ہیں، اس قوت سے صحیح کام لیں۔ اور خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو کر قومی جذبات کی ترجمانی کریں تو آپ قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں لیکن اگر آپ خود گمراہ ہو جائیں تو قلم ہی کی قوت قوم کو بھی گمراہ کر دے گی۔ اپنے اندر یہ بات پیدا کریں کہ آپ کے مخالف بھی یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ اس شخص کو کسی قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا۔"

[۱۱ ر اپریل ۱۹۴۷ء۔ مدیرانِ اخبارات کی ایک کانفرنس سے]

الفہرست

(محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق ــــــ اردو ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی)

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علمِ نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علماء و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالم وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ قیمت: ۲۷/ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور